Dr. Rizwana Perween

R.N College Hajipur Vaishali

B.A Part - II (Hon.)

Paper - III rd

Date - 17-08-2020

Topic - Meer Anis ki Marsiya-Goi.

میر انیس کی مرثیہ گوئی

اُردو ادب میں جب مرثیہ نگاری کی بات کی جاتی ہے تو اس صنف کے حوالے سے سب سے معتبر نام میر ببر علی انیس کا لیا جاتا ہے۔ مرثیے کا ذکر ہو اور انیس کا ذکر نہ آئے یہ یا ایسی بات ادب میں قابل قبول یا مستند نہیں، گویا کہ مرثیہ کا سب سے معتبر نام انیس ہی ہے۔ حالانکہ اُردو میں مرثیہ گوئی کی ابتدا دکنی دور میں ہو چکی تھی۔ لیکن میر انیس کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مرثیے کے لیے نہ صرف خود کو وقف کر دیا بلکہ اس صنف کو انہوں نے وہ فنی خوبیاں عطا کیں جن کے سبب مرثیہ آج عالمی ادبیات کے مقابلے میں کھڑے ہونے کے قابل ہو پائے۔

میر انیس نے اپنے مرثیے میں موضوع، فن اور زبان و اسلوب ہر اعتبار سے عروج عطا کیا۔ واقعات کربلا موضوع کے اعتبار سے مذہبی معاملہ ہے لیکن اس موضوع کو فارسی اور عربی سے پہلے اُردو میں طبع آزمائی کی گئی اور پہلے پہل اسے صنفی حیثیت عطا کی گئی اس کا سہرا میر انیس اور ان کے اہل خاندان کے سر جاتا ہے۔ شہادت امام حسینؑ اور واقعات کربلا کو جس فنکاری اور شدت احساس کے ساتھ پہلے پہل اُردو شاعری میں برتا گیا یہ میر انیس کا ہی کمال تھا کہ انہوں نے تاریخ اسلام کے اس اہم اور جذباتی موضوع کو شعری پیکر عطا کیا اور اسے تابندہ بنا دیا۔

میر انیس نے اپنے مرثیے میں واقعات کربلا کو پیش کرتے ہوئے بڑی باریکی سے جذبات نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری کے ساتھ ساتھ منظر کشی کے خوبصورت نمونے پیش کئے ہیں جس سے قاری اس منظر اور حالات کو نہ صرف پڑھتا اور جانتا ہے بلکہ وہ ان کیفیات سے بھی دوچار ہوتا ہے۔ میر انیس کا بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی عنصر کی پیش کشی میں فن کو گم نہیں ہونے دیا ہے بلکہ اس کے برعکس انہوں نے زیادہ زور فن کاری کو موضوع پر فوقیت دی ہے، اور یہی سبب ہے کہ انیس کے مرثیے دیگر مرثیہ گویوں سے نہ صرف مختلف انداز کے ہیں بلکہ ان سے اعلیٰ پائے کے اور ادب کے بہترین نمونے بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس بات کا احساس میر انیس کو بھی تھا وہ خود لکھتے ہیں کہ

لو تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں۔
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دوں خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں۔

ایک ہی مضمون کو کئی طرح سے پیش کر سکنے کی خوبی کو یوں بیان کرتے ہیں:

گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں۔

اس شاعرانہ تعلّی نہ کہیں تو اور کیا کہیں کہ انیس لکھتے ہیں:

اک قدر کر اے زمینِ سخن
تجھے بات میں آسماں کر دیا۔

اس بات میں کلام نہیں کہ انہیں الفاظ پر دسترس حاصل تھی۔ الفاظ ان کے یہاں کی لونڈی تھی وہ جس لفظ کو چاہتے جیسے اور جہاں استعمال کرتے اس پر انہیں مہارت حاصل تھی۔ اسی لئے تو ایک مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کا دعویٰ پیش کرتے ہیں۔

میر انیس کے مرثیے میں نہ صرف الفاظ کا خوبصورت استعمال دیکھنے کو ملتا ہے بلکہ ان کے مرثیے میں ڈرامائی انداز، انسانی جذبات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ مناظر فطرت کی بھی خوبصورت عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے ملاحظہ ہو:

وہ کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

درج بالا شعر میں انیس نے صبح کے منظر کی بہترین عکاسی کی ہے۔ ساتھ ہی اوس کے کھانے سے سبزہ کے ہرا ہونے اور موتیوں سے دامن صحرا کے بھرے ہونے کی تراکیب بھی دلکش ہے۔ میر انیس نے اردو میں پہلی بار منظر نگاری کی بنیاد ڈالی۔ اس صنف سے اب تک اردو شاعری کا دامن خالی تھا۔

میر انیس کے مرثیے کی ایک نمایاں خوبی ان کے یہاں پائے جانے والی لطیف زبان کے ساتھ ساتھ سلاست اور تسلسل بھی ہے۔ ان کے انداز میں شگفتگی کے ساتھ ساتھ نفاست اور جذبات کی صداقت کی دھیمی دھیمی لو کو محسوس کیا جا سکتا ہے:

اب یہاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینہ سے شہنشاہ ہمارا
زندہ نہ محمد ہے نہ اب عون ہے بیٹا
تم بھی نہ پوچھو تو میرا کون ہے بیٹا

غرض یہ کہ مرثیہ گوئی کے جتنے امکانات میر انیس نے اپنی صلاحیتوں سے اجاگر کیے ہیں وہ اردو ادب میں سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج اردو شاعری کے تمام اصناف میں واحد مرثیہ کو ہی وہ مقام و مرتبہ حاصل ہو سکا کہ وہ دنیائے ادب کے دیگر شعری اصناف کے مقابل کھڑی ہونے کے قابل ہو سکی۔ میر انیس نے لفظی اور معنوی دونوں سطح پر مرثیے کو معراج عطا کیا ہے۔

—x—